جلالۃ العلم استاذ العلما حافظ ملت علامہ

شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی

(ولادت: ۱۸۹۴ء - وصال ۳۱؍ مئی ۱۹۷۶ء)

مبارک حسین مصباحی

خاکِ ہند زر خیز بھی ہے اور مردم خیز بھی۔ اس کے خمیر سے بڑی بڑی نام ور اور مقتدر شخصیتوں نے جنم لیا ہے۔ ملک و وطن اور مذہب و ملت کے یے جن کی ہمہ گیر خدمات اور قابلِ فخر کارنامے تاریخِ ہند کے ان مٹ نقوش ہیں۔ انھیں قائدین دین و ملت میں ایک تاریخ ساز اور ہر دل عزیز شخصیت حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کی بھی ہے۔ بیسویں صدی کے دامن پر پھیلی ہوئی جن کی خدمات ستاروں کی طرح روشن اور کاروانِ آدم کے لیے مشعلِ راہ ہیں، جنھیں نظر انداز کر کے آپ کے عہد کی دینی، ملی اور علمی و روحانی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے آج دنیا انھیں "عبد العزیز" کے نام سے کم "جلالۃ العلم" اور "حضور حافظِ ملت" کے نام سے زیادہ پہچانتی ہے۔

ولادتِ باسعادت: حضرت حافظِ ملت ضلع مراد آباد کے قصبہ بھوجپور میں ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۴ء کے کسی دوشنبہ کو ایک غریب مگر دین دار خاندان میں پیدا ہوئے۔ دادا جان نے آپ کا نام شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نام پر عبد العزیز رکھا۔ اور فرمایا "میرا یہ بچہ عالم دین ہوگا"۔ دادا مرحوم کی یہ دعا حرف بحرف ثابت و مقبول ہوئی، بلکہ ایک محدث کے نام کی مناسبت بھی رنگ لائی، مستقبل میں آپ صرف بلند پایہ عالم دین ہی نہیں بکہ محدث عبد العزیز دہلوی کے ثانی علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بھی ثابت ہوئے۔

تعلیم و تربیت: اسلامی طریقے کے مطابق بسم اللہ خوانی کی رسم والد گرامی استاذ الحفاظ حضرت حافظ غلام محمد نور علیہ الرحمہ نے ادا کرائی اور پھر بھوجپور میں ہی اردو تعلیم حاصل کی، قرآن پاک اپنے والدِ گرامی سے حفظ کیا اور پھر درجہ مولوی تک کی تعلیم شہر مراد آباد کے مرکزی ادارہ جامعہ نعیمیہ میں پائی۔ بھوج پور سے مراد آباد کا فاصلہ قریبًا اکیس کلو میٹر ہے۔ عام طور پر یہ طویل مسافت آپ پیادہ پاطے فرماتے، آمد و رفت میں ایک قرآن عظیم بھی ختم فرما لیتے، اور پھر گھر جاکر اپنے ہم عمر افراد سے زیادہ کام بھی کرتے۔ متعلّمانہ زندگی کے یہ پہلو یقینًا بڑی اہمیت کے حامل ہیں جو عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتے، آخر میں آپ دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف تشریف لے گئے جہاں آپ نے انتہائی محنت و لگن سے حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ امجد علی اعظمی اور دیگر اساتذہ سے دینی علوم و فنون کی تکمیل کی آپ اپنے خاص استاذ حضرت صدر الشریعہ حضرت مولانا شاہ امجد علی اعظمی کی معیت میں بریلی شریف تشریف لائے اور شہرہ آفاق درس گاہ منظر اسلام میں ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء دستار فضیلت سے سرفراز کیے گئے۔

میدانِ عمل: فراغت کے بعد ملازمت کا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ آپ کا رجحان تجارت اور مقامی سطح پر خدمت دین کا تھا، اس دوران آگرے کی خطابت اور جامعہ نعیمیہ مراد آباد وغیرہ کی کئی ایک جگہیں بھی آئیں، لیکن آپ نے ملازمت نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے معذرت کرلی۔ اس کے بعد آپ کے مشفق استاذ حضرت صدر الشریعہ نے بریلی شریف بلا کر ارشاد فرمایا۔ حافظ صاحب! میں باہر رہا اور میرا ضلع اعظم گڑھ خراب ہوگیا، اس لیے میں آپ کو خدمتِ دین کے لیے مبارک پور بھیجتا ہوں۔ عرض کیا میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا، ارشاد ہوا۔ ملازمت کے لیے نہیں میں خدمتِ دین کے لیے بھیج رہا ہوں۔ استاذ کا حکم تھا، ضرورتِ داعی تھی۔ آپ ۲۹؍ شوال ۱۳۵۲ھ/۱۴؍ جنوری ۱۹۳۴ء میں مبارک پور پہنچ گئے اور یہاں مدرسہ اشرفیہ مصباح العوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے کام کا آغاز کر دیا۔

آپ کی آمد سے قبل مدرسہ کی تعلیمی و مالی حالت انتہائی خستہ تھی۔ کسی طرح صرف ابتدائی درس نظامی کی تعلیم ہوتی تھی اور بیرونی طلبہ قطعًا نہیں

تھے۔ حافظ ملت کی تشریف آوری ہوئی اور تعلیم و تربیت کا شُہرہ بوے گل کی طرح ہر طرف پھیلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس شمعِ شبستانِ علم کے گرد مختلف علاقوں سے طالبانِ علومِ نبویہ پروانوں کی طرح ٹوٹنے لگے۔ چند دن بھی نہ گزرنے پائے کہ مدرسہ کی غیر آباد فضا قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر و غیرہ علوم و فنون کے مقدس نغمات سے گونج اٹھی۔

صرف ایک سال کی قلیل مدت میں قدیم مدرسہ کی عمارت اساتذہ و طلبہ کے لیے بالکل ناکافی ہو گئی۔ ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۵ء میں آپ کی تحریک پر قلب مبارک پور میں ایک زمین حاصل کی گئی اور اس پر ایک وسیع شان دار دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، جو چند سال قبل تک حسنِ تعمیر کا ایک یادگار نمونہ تھی، جس کی اب تعمیر جدید ہو گئی ہے اور اب اس زمین پر پانچ منزلہ عمارت دعوتِ نظارہ دے رہی ہے۔

آپ کی تحریکی اور تعمیری سرگرمیوں کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ آپ کسی منزل پہ ٹھہرنا جانتے ہی نہیں تھے، آپ نے اپنے حسنِ کارکردگی سے نظامِ تعلیم و تربیت کو اتنی وسعت دی کہ ایک دن اس عظیم دار العلوم کا دامن بھی تنگ ہو گیا، پھر آپ نے اپنے فلک پیما منصوبے کے پیش نظر آبادی کے باہر ایک وسیع خطۂ زمین خریدا اور اسی زمین پر ایک تاریخ ساز کانفرنس ۱۹۷۲ء میں انعقاد کیا جس میں آپ کی آواز پر ملک بھر سے علما، مشائخ، سیاسی لیڈروں اور دانش وروں نے شرکت کی اور اسی موقع پر اس لق و دق صحرا میں ”الجامعۃ الاشرفیہ“ مبارک پور کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اب یہ وسیع رقبہ شہرستان علم و فضل میں تبدیل ہو چکا ہے۔ نیز آبادی میں جو اساتذہ کی رہائش گاہیں، مارکیٹیں، اشرفیہ انٹر کالج، نسواں کالج، قدیم مدرسہ، دار العلوم مصباح العلوم، جامع مسجد راجہ مبارک شا اور متعدّد محلوں میں مکاتب، لائبریریوں اور انجمنوں کا جو خوش نما جال پھیلا ہوا ہے وہ بذات خود حضرت حافظ ملت کا اہم اور عظیم کارنامہ ہے۔ بفضلہ تعالیٰ تعمیر و ترقی کا سفر آج بھی جاری ہے۔

واضح رہے کہ مدرسہ اشرفیہ سے الجامعۃ الاشرفیہ تک کا سفر جو طویل مدت پر پھیلا ہوا ہے۔ حضور حافظ ملت کی بے پناہ قربانیوں اور جاں فشانیوں کا ثمرہ ہے، اس راہ میں آپ کو بڑی مشکلات و مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے گویا کہ ایک کمہلائے ہوئے پودے کو خونِ جگر پلا کر تناور درخت اور پھر اسے ایک گلستاں میں تبدیل کیا ہے اور آج دنیا کا ایک بڑا حصہ اس سے اکتساب فیض کر رہا ہے۔

تدریسی خدمات: حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ حفظ قرآن کے بعد چند برس تک بھوج پور ضلع مراد آباد کی بڑی مسجد کے امام اور مدرسہ حفظ القرآن کے مدرس ہو گئے، رمضان المبارک میں ہر سال شبینہ خوانی کے لیے شہر مراد آباد جاتے، صحت خوانی اور زود خوانی کا شہرہ جلد ہی پورے شہر میں ہو گیا۔ پورا قرآن پاک تنہا محراب میں سناتے اور تکان اور پریشانی کا احساس نہیں ہوتا۔ پانچ سال بعد باضابطہ فارسی اور عربی تعلیم کا آغاز ہوا۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، باضابطہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل ہوئے، تین سال تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف پہنچے۔ اجمیر میں طالب علمی کے دوران بھی آپ بحیثیت معین المدرسین طلبہ کو پڑھاتے، اجمیر شریف میں آپ نے بخاری شریف تک کا درس مکمل کیا۔

فراغت کے بعد جب آپ مبارک پور تشریف لائے تو معین المدرسین کے عہد کے چند طلبہ بھی آ گئے، مبارک پور میں آپ نے بڑی محنت سے پڑھایا، تعلیم و تربیت کے تعلق سے آپ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ایک طالب علم کو عالم ربانی ہونے کے ساتھ انگریزی، ہندی، سنسکرت میں مہارت حاصل ہونا چاہیے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہندی اور انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ آج کمپیوٹر کا بھی مکمل شعبہ ہے۔ آپ نے ۳۴؍ بار مکمل بخاری شریف کا درس دیا۔ جس دن آپ کا وصال پر ملال ہوا، اس دن بھی بخاری شریف کا درس دیا۔

آپ کے باکمال تلامذہ ملک اور بیرون ملک مختلف میدانوں میں قیادت و سربراہی کر رہے ہیں۔ بلند پایہ اساتذہ بھی ہیں اور باکمال مفتیانِ کرام بھی، یونیورسٹیز میں پروفیسر بھی ہیں اور سیاسی میدانوں میں بلند پایہ عہدے داران بھی، خانقاہوں کے مشائخ و شیوخ بھی ہیں اور کج کلاہانِ صحافت بھی، بلند رتبہ قلم کار بھی ہیں اور حیرت انگیز محققین بھی۔

جامعہ اشرفیہ کے سربراہِ اعلیٰ: ۱۹۷۰ء میں آپ مجلسِ انتظامیہ کے صدر اور جامعہ اشرفیہ کے سربراہِ اعلیٰ بھی منتخب ہوئے۔ مگر ان عظیم عہدوں کا بھی آپ کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑا، انھوں نے بارہا فرمایا کہ میں کل بھی ادارہ کا خادم تھا اور آج بھی خادم ہوں۔ آپ نے اپنی سربراہی کے دوران ادارے کے نظم و ضبط میں بڑی نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں، لائبریری کا نظام درست فرمایا، عربی ادب کی تعلیم کی جانب بھرپور توجہ

فرمائی، مدرسین کی تنخواہوں میں بلا مطالبہ اضافے کی راہ نکالتے۔ صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی تحریر فرماتے ہیں۔

”سربراہِ اعلیٰ ہونے کے بعد وہ بلا درخواست اضافہ کی راہ نکالتے، ایک بار حضرت کی مجلس میں لوگوں نے اپنے کاروبار کی پریشانی اور گرانی کی زیادتی کا تذکرہ کیا جیسا کہ عموماً ایسے موقعوں پر ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنی پوری لسانی وفکری صلاحیت کے ساتھ آٹا دال، چاول، سوت، ریشن، مسرائز کا بھاؤ اور بازار کا اتار چڑھاؤ بتانے لگتا ہے، اور کوئی گوشہ تاریک نہیں چھوڑنا چاہتا۔ حضرت کے سامنے بھی لوگ بیان کرتے رہے اور حضرت یہ ساری باتیں بڑی متانت اور دردمندی سے سنتے رہے، بتانے والوں میں زیادہ تر مجلسِ عاملہ کے ارکان ہی تھے۔ آخر میں فرمایا کہ ”جب گرانی کا یہ حال ہے تو مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ ضروری ہے“ دوسرے دن میٹنگ طلب کی اور بغیر کسی درخواست اور تحریک کے تمام مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ کردیا، کسی رکن میں اختلاف کی مجال بھی نہ تھی، کیوں کہ ایک دن پہلے خود ہی سب کچھ سنا چکے تھے۔ یہ واقعہ حضرت نے ایک موقع پر خود مجھ سے بیان کیا۔“

نظریۂ تعلیم: ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہندوستان میں دینی وملی، علمی واصلاحی خدمات میں خانقاہوں اور درس گاہوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے، مگر گزرتے دنوں کے ساتھ خانقاہی نظام میں جمود اور مکتبوں اور درس گاہوں میں اضافہ ہوتا رہا، لیکن اس حقیقت کو سپردِ قلم کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ جدید علوم وفنون اور عصری تقاضوں سے صرف نظر کے نتیجے میں ان درس گاہوں سے جتنا فائدہ چاہیے تھا، نہیں پہنچا، کیوں کہ قوم مسلم کو دینی زندگی اور قومی بقا کے لیے جہاں قرآن وحدیث، فقہ وکلام اور دیگر علوم وفنون کی بصیرت ضروری ہے، وہیں جدید علوم وفنون، مروجہ زبان وادب اور عصری رجحانات ونظریات کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔

آئینۂ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
عادت یہی بری ہے قوموں کی زندگی میں
یہ کاروان ہستی ہے تیز گام اتنا
قومیں بچھڑ گئی ہیں جس کی روا روی میں

حضرت حافظ ملت ایک عظیم روحانی بزرگ بھی تھے اور نباضِ عصر بھی۔ آپ کے دل میں ملت کی تعلیمی زبوں حالی کا بڑا احساس تھا۔ آپ نے اپنے طویل تجربات اور پیہم مشاہدات کی روشنی میں اس پہلو پر بڑی گہرائی سے غور کیا اور انھیں تہ نشیں آفاقی نظریات کی خوب صورت عملی تعبیر الجامعۃ الاشرفیہ ہے، بہ الفاظ دیگر حافظ ملت کی تحریک اشرفیہ کا مقصد محض درس نظامیہ کی روایتی تعلیم نہیں بلکہ عصری علوم وفنون، بین الاقوامی زبان وادب اور جدید طرز تعلیم وتربیت اسلامی کی فکر کی روشنی میں استفادہ بھی اس کا ایک اہم عنصر ہے۔ حافظ ملت نے ایک موقع پر نظریۂ تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

”الجامعۃ الاشرفیہ سے میرا مقصد درسِ نظامیہ کے طلبہ کو ہندی، انگریزی اور عربی زبان وادب کا صاحب قلم اور صاحبِ لسان بنانا ہے تاکہ وہ ہند اور بیرون ہند مذہب اہل سنت کی اشاعت کر سکیں۔“ آپ نے اپنے ادارہ کے جامع نظام تعلیم میں دینیات وادبیات کے ساتھ ٹیکنیکل ایجوکیشن اور طبیہ کالج وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے افتتاح کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا:

”الجامعۃ الاشرفیہ صرف ایک تعلیمی ادارہ نہیں بلکہ ایک تعلیمی تحریک ہے، میں اپنے اس ادارہ میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کے ساتھ ہندی، انگریزی اور سنسکرت زبان کی حیثیت سے نصاب میں داخل کروں گا، تاکہ فارغین اشرفیہ دنیا کے گوشے گوشے میں ان زبانوں کے ذریعہ اسلامی افکار ونظریات کی تبلیغ وترویج میں کوئی دشواری محسوس نہ کریں، نیز اپنے ادارہ میں ٹیکنیکل تعلیم کے شعبے بھی قائم کروں گا۔“

قرطاس وقلم کے میدان میں: حضرت حافظ ملت تحریر ونگارش میں بھی بڑی پختگی رکھتے تھے، دیگر کثیر مصروفیات کے باوجود آپ نے مختلف موضوعات پر متعدد وقیع اور علمی کتابیں لکھیں، مبارک پور آنے کے بعد آپ نے کثیر تعداد میں فتاویٰ بھی لکھے۔ آپ کے فتاویٰ میں دلائل وشواہد کی فراوانی بھی ہے اور سائلین کی فکروں کا بھرپور استفہام بھی، بعض مواقع پر مستفتی بڑی عیاری سے فریب دینا چاہتا ہے، مگر حضرت

حافظ ملت اپنی فقہی بصیرت سے سمجھ لیتے تھے کہ اس کا مقصد کیا ہے اور کیا لکھوا کر اہلِ سنت کے خلاف ہنگامہ آرائی کرنا چاہتا ہے۔ حضرت حافظِ ملت اپنی دور اندیشی سے سائل کے مقصد کو سمجھ لیتے اور جواب اس انداز سے تحریر فرماتے تو اس کے سارے راستے بند کر دیتے تھے۔

آپ فصیح و بلیغ لب و لہجے کے بلند پایہ قلم کار تھے، آپ کا رُخِ مضمون کے مقصد پر رہتا، اختصار و جامعیت کے ساتھ کچھ اس انداز میں لکھتے کہ وہ اپنے موضوع پر مکمل ہوتا۔ آپ کی درج ذیل تصانیف اہم ہیں۔

(۱) ارشاد القرآن (۲) الارشاد (۳) معارفِ حدیث (۴) فتاویٰ حافظ ملت (۵) المصباح الجدید (۶) العذاب الشدید (۷) انباء الغیب (۸) فرقہ ناجیہ۔

یہ تصانیف اپنے مواد اور مضامین کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ آپ نے اہم شخصیات کی حیات و خدمات کے حوالے سے گراں قدر تحریریں بھی لکھیں، آپ برسوں تک دار العلوم اشرفیہ کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث بھی رہے اور ۱۹۷۰ء میں کمیٹی کے صدر اور سربراہِ اعلیٰ بھی منتخب ہوئے، ان تمام امور اور معاملات کے تعلق سے بھی بہت سی تحریریں سپردِ قلم فرمائیں۔ آپ ایک بڑے مرشدِ طریقت اور عظیم واعظ کی حیثیت سے بھی ملک بھر کے دورے فرماتے۔ احباب، تلامذہ اور مریدین سے مسلسل خط و کتابت ہوتی۔ ملک کی عظیم ترین شخصیات کے نام آپ کے خطوط بھی کثیر ہیں۔ یہ بجائے خود ایک بڑا قلمی ریکارڈ ہے، راقمِ سطور کے پاس بھی حضرت کے خطوط کا ایک گراں قدر ذخیرہ ہے۔

تقریظات اور معائنے:

مقدمہ نگاری اور تقریظ نگاری بھی ایک قلمی فن ہے۔ تقریظ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کتاب کا مکمل مطالعہ کرے یا اس کے اکثر حصے کو بنظرِ غائر دیکھ لے، اسی کے ساتھ یہ بھی اہم ہے کہ تقریظ نگار اس فن سے پوری طرح واقف ہو۔ جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت نے متعدّد کتابوں پر تقریظات لکھیں، حضرت کی تقریظات انتہائی واضح، سلیس اور عام فہم ہوتی تھیں۔ حضرت نے مختلف اوقات میں متعدّد کتب پر تقریظات لکھیں۔ چند رسائل و کتب کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تقریظ بر رسالہ "السراج الوہاج" از مولانا شاہ ابوالنصر محمد سراج الہدیٰ گیاوی
(۲) تقریظ بر کتاب "معیارِ ایمان" از مولانا قاری حکیم ابوالرضا محمد لقمان بنارسی
(۳) تقریظ بر کتاب "فیض الادب" اول و دوم، از: مولانا بدر الدین احمد گورکھ پوری
(۴) تقریظ بر کتاب "جواہر المنطق" از: مولانا بدر الدین احمد گورکھ پوری
(۵) تقریظ بر کتاب "مصباح التجوید" از: مولانا قاری محمد عثمان اعظمی
(۶) تقریظ بر کتاب "تذکرہ پاک صاحبِ لولاک" از: مولانا محمد کوثر امجدی
(۷) تقریظ بر کتاب "تذکرہ مخدوم حضرت سلطان اشرف جہاں گیر سمنانی علیہ الرحمۃ" از: مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری ابن بحر العلوم۔

مدارسِ اسلامیہ علوم و فنون کے گہوارے ہوتے ہیں، خاکِ ہند کے ادارے عام طور پر مسلمانوں کے تعاون سے چلتے ہیں۔ ذمہ دارانِ مدارس سالانہ اجلاس منعقد کرتے ہیں اور سالانہ امتحانات کراتے ہیں۔ ان تقریبات میں علمائے کرام اور مشائخ عظام کو مدعو کیا جاتا ہے۔ جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت ایک بلند پایہ واعظ و خطیب بھی تھے آپ کے معتقدین اور مریدین کا حلقہ کا بھی انتہائی وسیع تھا اور خاکِ ہند کی عظیم ترین درس گاہ کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین بھی، آپ بھی ملک کے کثیر مدارس میں مدعو کیے جاتے تھے، ذمہ دارانِ مدارس آپ سے معائنے بھی تحریر کراتے۔ سرِ دست چند مدارس اور دار العلوموں کے معائنے ہمارے پیشِ نظر ہیں۔

(۱) مدرسہ اکرم العلوم، لال مسجد، مراد آباد۔
(۲) جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس (دو معائنے)
(۳) مدرسہ اہلِ سنت بحر العلوم، مئو

مندرجہ بالا تقریظات اور معائنے ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ یہ زبان و بیان اور فکر وفن کے نمونے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم انھیں نقل کرنے سے قاصر ہیں۔

تحریکِ اشرفیہ کے اثرات: حافظ ملت کی تحریک اشرفیہ جن ہمہ گیر اور بلند مقاصد کو لے کر میدان میں آئی تھی وہ عزائم و نظریات صرف حاشیۂ خیال اور صفحۂ قرطاس تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ محسوس دنیا کا ایک عظیم طبقہ ان سے مستفید بھی ہو رہا ہے اور اس کی تیز گام عملی کارگزاریوں کا سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے۔ حفظ و قراءت عالمیت و فضیلت وغیرہ مختلف شعبوں میں فارغین اشرفیہ کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر چکی ہے، جن میں بیش تر وہ فضلا ہیں جو قدیم و جدید علوم پر عبور کے ساتھ درس نظامیہ کی اعلیٰ تدریس کے لیے ملک و بیرون ملک کی اعلیٰ درس گاہوں کے اہم عہدوں پر فائز ہیں نیز خاصی تعداد ان فاضلان اشرفیہ کی بھی ہے جو ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور کالجز کے اہم شعبوں سے وابستہ ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ نے تحریر و تقریر، صحافت و سیاست، افتا و تصوف وغیرہ ہر میدان میں بھی بڑے نام ور اور قابلِ فخر افراد پیدا کیے جنھوں نے ملک و بیرون ملک انگلینڈ، ہالینڈ، ممالکِ افریقہ، پاکستان، نیپال، بنگلہ دیش اور خلیج و یورپ کے مختلف خطوں میں سیکڑوں تعلیمی ادارے اور تصنیفی اشاعتی اور تبلیغی مراکز کھولے اور تنظیمی ادارے قائم کیے جو آج اپنے اپنے دائرۂ عمل میں دینی و ملی تصنیفی و اصلاحی خدمات کا سرچشمہ بنے ہوئے ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی دنیا بھر میں سیکڑوں تعلیمی شاخیں ہیں جو حافظ ملت کے تعلیمی و فکری نظریات کے مطابق نونہالانِ ملت کی تعلیم و تربیت میں مصروفِ عمل ہیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ تحریک اشرفیہ آج اپنے وسیع امکانات و رجحانات کے ساتھ تعمیر و ترقی کی راہ پر گام زن ہے اور اس کی قیادت و سربراہی شہزادۂ حافظ ملت پیر طریقت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ فرما رہے ہیں، جو جلیل القدر فاضل ہونے کے ساتھ بی ایس سی انجینئرنگ (علیگ) بھی ہیں۔

تعمیر قوم و وطن: باشندگان ہند نے بلاتفریق قوم و ملت آزادی کی جنگ بڑے عزم و حوصلہ سے لڑی تھی، غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لیے حریت پسندوں نے جو مثالی قربانیاں پیش کی تھیں، تاریخ ہند انھیں کبھی فراموش نہیں کر سکتی، مگر افسوس آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے ہی تقسیم ہند کی جنگ چھڑ گئی اور آزادی کی فضا میں ایک پر سکون لمحہ گزارے بغیر ملک ایک بار پھر قیامت آشوب بلاؤں میں گرفتار ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہم سفر و ہم قدم قافلے باہم دست و گریباں ہو گئے۔ صدیوں پرانی ہم سائگی و رواداری پل بھر میں عداوت و دشمنی کی نذر ہو گئی۔

تقسیم ہند کے بعد ہنگامۂ ترک وطن کی ایسی ہوا چلی کہ قوم مسلم انجام سے بے خبر ہو کر قافلہ در قافلہ ہجرت کرنے لگے، آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہونے لگیں اور پورا ملک عجیب کش مکش اور بے اعتمادی کے ناخوش گوار ماحول میں ڈوب گیا۔ حضور حافظ ملت نے جب اس شور الرحیل پر پابہ رکاب قافلوں کو دیکھا تو خون کے آنسو رو پڑے اور آپ نے انتہائی سنجیدگی اور دور اندیشی سے قوم مسلم کے لیے جو راہ عمل متعیّن کی وہ عام مسلم قائدین سے علاحدہ تھی۔ آپ نے اس ہنگامہ خیز ماحول میں ترکِ وطن کے خلاف آواز اٹھائی اور متوحش اذہان و قلوب میں اعتماد و اطمینان جاگزیں کیا، جگہ جگہ تقریریں کیں اور انھیں یہ ذہن دیا:

”اے مسلمانو! تم اسی ملک کی پیداوار ہو، اسی ملک میں تمھارے مکانات ہیں، تمھاری مسجدیں ہیں، تمھاری خانقاہیں ہیں، تمھارے مدرسے ہیں، تمھارے آبا و اجداد کی قبریں ہیں اور مزاراتِ اولیا ہیں جو اسلامی شعائر ہیں، جن کی حفاظت کی ذمہ داری خود تمھارے اوپر ہے۔ تم نے اگر وطن چھوڑ دیا تو اسلامی شعائر کی پامال حرمتیں قیامت میں تمھاری دامن گیر ہوں گی۔ لہٰذا جہاں پیدا ہوئے ہو وہیں رہو، اس کی حفاظت کرو، اسی سے اپنا مستقبل وابستہ کرو، اسی سے محبت کرو کہ وطن کی محبت بھی ضروریاتِ دین سے ہے۔“

آپ نے اپنے جذبۂ حب الوطنی کے زیر اثر ہنگامۂ ترک وطن کے بلاخیز ماحول میں ایک اہم کتاب ”ارشاد القرآن“ بھی تصنیف فرمائی، یہ مختصر کتاب بروقت اتنی اثر انگیز ثابت ہوئی کہ کتنے ہی پابہ رکاب قافلے عزمِ سفر ترک کرنے پر مجبور ہو گئے، لرزیدہ قدم سنبھل گئے، اعتماد و اطمینان کی فضا ہموار ہو گئی اور جو لوگ نقارۂ کوچ کی صدا میں صدا ملا رہے تھے، ملک و وطن کی تعمیر و ترقی میں مصروف ہو گئے۔ ذیل میں کتاب کا ایک فکر انگیز اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"مسلمانو! تمھاری دنیا میں آنے کی غرض اور تمھارا مقصود اصلی اللہ عزوجل کی عبادت ہے۔ تمھارا رب فرماتا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعنی میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ لہٰذا مسلمانو! جب تک تم اپنے وطن میں اپنے رب کی عبادت میں آزاد ہو، تمھارا مقصود حاصل ہے۔ ایسی صورت میں ہرگز کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔"

یہ تو ایک مثال تھی۔ حافظ ملت کی پوری زندگی جذبۂ حب الوطنی سے سرشار نظر آتی ہے۔ آپ نے ملک و وطن کے لیے ہمیشہ تعمیری خطوط پر سوچا اور ایک عالم کو اپنے نظریات کا ہم نوا بنالیا۔

تقویٰ شعاری: آپ علم و تقویٰ کے تاج دار اور تدین و تفقہ کے شہنشاہ تھے۔ آپ کی پوری زندگی شریعت کی پاس دار اور انتہائی محتاط و متقیانہ گزری ہے۔ یہ آپ کا تقویٰ ہی تھا کہ جب سفر حج و زیارت کے لیے تصویر کو لازم قرار دے دیا گیا تو آپ نے حرمتِ تصویر کے پیش نظر بلا فوٹو سفرِ حج و زیارت فرمایا، اگرچہ اس راہ میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ فرماتے تھے، میں رسول کا قانون توڑ کر بارگاہِ رسول میں ہرگز نہیں جاسکتا۔ جب آپ مکہ مکرمہ پہنچے تو ہندوستانی سفارت خانہ میں آپ کو مدعو کیا گیا، استقبالیہ میں سفیر نے تمام حاضرین و مدعوعین کے سامنے جو بیان دیا تھا، اسے ذیل میں پڑھیے۔

"حضرات آج ہمارا سر فخر سے بلند ہے، اس لیے آج ہمارے ملک کو جو مذہبی برتری حاصل ہوئی، وہ اس حیثیت سے شاید دنیا کے کسی ملک کو نہیں حاصل ہے۔ اس لیے کہ مذہب بیزاری کے دور میں جب کہ تصویر کھنچوانا ایک فیشن بن چکا ہے، ایک ایسا خدا ترس اور دین دار بزرگ بھی موجود ہے، جس نے پاسِ شرع کو اس احتیاط کے ساتھ ملحوظِ خاطر رکھا کہ حج کے لیے بھی تصویر نہیں کھنچوائی اور جس کے لیے بین الاقوامی بندھن کو بھی ڈھیلا ہونا پڑا، وہ ہیں حافظِ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب جو آپ کے درمیان ہیں اور خوش بختی سے ہمارے ہی ملک کے باشندے ہیں۔"

آپ کی تقویٰ شعار زندگی کا پہلو انتہائی تاب ناک اور حیرت انگیز ہے۔ اس مختصر تحریر میں جس کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالنا بڑا مشکل ہے۔ آپ بلا شبہہ ایک ولیِ کامل، عارف باللہ اور درویش صفت انسان تھے، دیکھنے والوں نے خرق عادت واقعات کو بھی دیکھا جنھیں اسلامی تصوف میں کرامات کا نام دیا جاتا ہے۔ آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور بھی ہوچکا ہے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

خدمتِ خلق اور رواداری: آپ شرعی امکانات کے دائرے میں رواداری اور یک جہتی کے بھی علم بردار تھے۔ خدمتِ خلق، اصاغر نوازی اور غربا پروری آپ کی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ جتنے باعظمت اور جلیل القدر تھے، اتنے ہی متواضع، منکسر المزاج اور اخلاق مند تھے۔ آپ کی بارگاہ میں اپنے بیگانے اور امیر و غریب کا امتیاز قطعاً نہیں تھا۔ آپ مہمانوں سے انتہائی خندہ پیشانی سے پیش آتے، اگر کوئی گھر نہیں ہوتا تو خود ہی چاے وغیرہ کا انتظام فرماتے، بلکہ کبھی کبھی مہمان نوازی میں چولھا تک جلاتے۔ مریضوں کی عیادت، حاجت مندوں کی حاجت روائی، بچوں پر شفقت اور بڑوں کا حد درجہ ادب و احترام بلکہ کتے بلی اور پرندوں پر بھی نظر رکھتے۔ آپ کے حسن سلوک میں اپنے اور بیگانے کا کوئی فرق نہیں تھا۔ جس وطن کی مٹی سے آپ کی نمود ہوئی تھی، اس کی ہر چیز سے پیار کرتے اور اس کی تعمیر و ترقی کے خواہاں رہتے۔

آپ وطن کے ہر بچہ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اگر کسی طالب علم کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ تنگ دست اور غربت کی زندگی بسر کررہا ہے، تو اپنی قلیل تنخواہ سے اس کا وظیفہ مقرر فرمادیتے اور اسے مزید حصولِ تعلیم کا حوصلہ دیتے۔ آپ اپنے دروازے سے کسی سائل کو واپس نہیں کرتے۔ ایک بار آپ کھانا تناول کرنے بیٹھے کہ اتنے میں ایک فقیر آگیا، اتفاق سے دسترخوان پر ایک ہی روٹی تھی۔ آپ نے بلا تامل وہ روٹی فقیر کو دے دی اور شیخ سعدی کا شعر دوہرایا۔

نیم نانے گر خورد مرد خدا　　　بذل درویشاں کند نیم دگر

آپ کی بارگاہ میں تعویذ و دعا کے حاجت مند بھی آتے تھے، جنھیں آپ بڑی خوش دلی سے تعویذ و دعا سے نوازتے اور ان کی حاجت روائی فرماتے۔ آپ کے تعویذ و دعا بڑے کیمیا اثر ہوتے۔ اس لیے لوگ دور دراز کا سفر طے کرکے آتے، آنے والوں میں ہندو، مسلم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ یہ روحانی فیضان سب پر برستا تھا۔ واضح ہو کہ ان سب چیزوں کی کبھی کسی سے کوئی اجرت طلب نہیں کی۔

یہ تھی آپ کی رواداری اور خدمتِ خلق۔ مگر یہی حرف آخر نہیں، ابھی کتنے ہی گوشے ہیں جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں اختصار کے پیش نظر

جن کی تفصیل سپرد قلم کرنے سے قاصر ہوں۔ آج دہشت زدہ اور متعصب ماحول میں آپ کی زندگی کا مطالعہ از حد ضروری اور قابل تقلید ہے۔

وصال اور طوفانِ غم: یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ء/۳۱/ مئی ۱۹۷۶ء کو ملت کا یہ عظیم معمار اور ہر دل عزیز قائد اپنوں اور یگانوں کو تڑپتا بلکتا چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ وصال کی خبر ایک عالم پر بجلی کی طرح گری اور ہر طرف صفِ ماتم بچھ گئی۔ ملک بھر سے ہزاروں لوگوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ تین روز کے لیے مبارک پور اور قرب وجوار کے علاقے ماتم کدہ بن گئے تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ کی جدائی پر ہندو مسلم برابر کے شریک تھے۔ کتنے ہی پاس پڑوس کے ہندوؤں کو دہاڑیں مارتے ہوئے دیکھا گیا اور آج بھی جب ذکر حافظ ملت چھڑ جاتا ہے تو ایک آہ سرد کے ساتھ ان کا چہرہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بلا وجہ نہیں تھا۔ آپ کا مزار خود آپ ہی کے لگائے ہوئے چمن میں مرجع عوام و خواص ہے۔

اپنے ہاتھوں کے لگائے باغ میں سویا ہے وہ
کہنے کو چپ ہے مگر اس طرح سے گویا ہے وہ
ہر سانس سے ٹھنڈک دی میں نے، ہر قطرہ خون سے سینچا ہے
تم شاد رہو اے فرزندو! یہ میرا چمن برباد نہ ہو